نہرو بال پستکالیہ ـ 50
ٹوٹا ہوا پر
اور
دوسری ایشیائی کہانیاں
: بیلندر دھنووا
: پاؤلین دھنووا
ترجم : سراج انور
نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا ۔ نئی دہلی

ٹوٹا ہوا پر

کوریا کی کہانی

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی جگہ ایک بوڑھا آدمی رہتا تھا جس کے تین لڑکے تھے۔ دو بڑے لڑکے بہت بدصورت اور سست تھے جب کہ سب سے چھوٹا خوبصورت اور محنتی تھا۔ چھوٹا لڑکا 'اِل چنگ' اتنا کام کرتا تھا کہ محض ہڈیوں کا ڈھانچہ معلوم ہوتا تھا۔ بوڑھا آدمی چونکہ اِل چنگ سے سب سے زیادہ محبّت کرتا تھا اِس لیے دوسرے بیٹے اُس سے بہت جلتے اور ناراض رہتے تھے۔

افسوس! ایک دن بوڑھا آدمی چھوٹے بیٹے کو دونوں بڑے اور چالاک بھائیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر چل بسا۔ اِل چنگ اپنے باپ کی موت پر غم کے مارے بُری طرح رونے اور چلّانے لگا۔

"اے، یہ بچّوں کی طرح رونا دھونا بند کرو۔" بڑے بھائی ٹونگ ٹونگی نے کہا۔

"ہاں بند کرو یہ بسورنا....." سل سری نے دُہرایا۔ سل سری اتنا بیوقوف تھا کہ وہ خود کچھ بھی نہیں سوچ سکتا تھا اور ہمیشہ ٹونگ ٹونگی کی کہی ہوئی باتیں ہی دوہرایا کرتا تھا۔

"میں تمھاری یہ بیہودہ صورت آئندہ نہیں دیکھنا چاہتا۔" ٹونگ ٹونگی نے سخت لہجے

1983 (ساکا 1905)

© بیلندر دھنوا

قیمت 2-50

The Broken Wing & Other Asian Tales Urdu

Published by Director, National Book Trust, India, A-5, Green Park, New Delhi 110016 and printed by Gautam Packaging, B-29, Okhla Industrial Area, Phase I, New Delhi 110020

میں بات جاری رہی۔

"میں تمھاری یہ بیہودہ صورت . . . . ." سل سری نے کہنا شروع کیا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ فقرہ ختم کرتا لوٹنگ ٹونگی نے اِل چنگ کو گُدّی سے پکڑ کر مکان سے باہر دھکیل دیا اور سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا اُس کی طرف پھینک کر بولا۔ "بس یہ لے جا۔ باپ کی جائداد میں تیرا یہی حصّہ ہے۔"

اور پھر دونوں بھائی ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اِل چنگ کی قابلِ رحم حالت پر دل ہی دل میں ہنستے ہوئے مکان کے اندر چلے گئے۔

یہ جاننے کے بعد کہ اپنے چالاک بھائیوں سے بحث کرنا بیکار ہے، اِل چنگ قریبی جنگل میں چلا گیا۔ وہ بہت عقل مند اور ہوشیار لڑکا تھا۔ اُس نے جلد ہی ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنانے کے لیے جنگل سے کچھ لکڑیاں اور ٹہنیاں اکھٹی کر لیں۔ چند مضبوط دیواروں اور صاف ستھری چھت والی ایک پناہ گاہ بنانے میں اُسے کچھ زیادہ وقت نہ لگا۔

چونکہ وہ ہنس مکھ تھا اس لیے اس نے بڑی ہمّت سے کام لے کر، درختوں کی جڑیں اور بیر وغیرہ کھا کر کچھ وقت گذار لیا۔ لیکن سردی آنے والی تھی اور وہ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ سردی میں وہ اپنے چھوٹے سے گھر میں بہت زیادہ پریشان اور بے بس ہو جائے گا۔

ایک دن اِل چنگ بہت ہی زیادہ بھوکا تھا۔ دن بھر وہ بیر تلاش کرتا رہا لیکن صرف مُٹھّی بھر بیر ہاتھ لگے۔ اُس نے بیروں کو افسوس کے ساتھ دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ اتنے تھوڑے سے بیر اُس کی بھوک مٹانے کے لیے ناکافی ہیں۔ ایک آہ بھر کر وہ اپنی جھونپڑی کی طرف مڑا ہی تھا کہ اچانک اُسے راستے میں ایک زخمی پرندہ پڑا ہوا دکھائی دیا۔

اِل چنگ نے اُسے دیکھنے کے لیے جیسے ہی جُھکا، پرندے نے یہ سمجھ کر کہ لڑکا اُسے ضرور تکلیف پہنچائے گا، اپنے پر پھڑپھڑائے۔ لیکن اِل چنگ نے اُس کے سر کو رحمدلی سے تھپتھپایا اور پھر غور سے دیکھنے پر اُسے پتہ چلا کہ پرندے کا ایک پر ٹوٹا ہوا ہے۔

اِل چنگ اُس ننھی سی جان کو جلدی سے اٹھا کر اپنی جھونپڑی طرف تیزی سے دوڑا۔ اُس نے پرندے کے لیے نرم گھاس کا ایک چھوٹا سا گھونسلہ بنا دیا اور اپنی بھوک کا خیال کیے بغیر اُسے بیر کھِلا دیے۔

اُس کی دیکھ بھال سے پرندہ جلد ہی ٹھیک ہو گیا۔ اور ایک دن صبح کے وقت اُڑ گیا۔ اِل چنگ بڑی اُداسی سے اُسے دُور تک اُڑ کر جاتے دیکھتا رہا۔ پرندہ اُس کی تنہائی کا ساتھی بن گیا تھا اور وہ اُس سے بڑی محبت کرنے لگا تھا۔

اگلی صبح جب دروازے کے باہر اُسے ایک جانی پہچانی چیں چیں کی آواز سنائی دی تو وہ حیران رہ گیا۔ دروازے سے باہر نکل کر اُس نے دیکھا کہ اُس کا دوست پرندہ واپس آگیا ہے۔

اُس کی چونچ میں ایک چھوٹا سا بیج تھا جو اُس نے اِل چنگ کے قدموں میں ڈال دیا اور بولا: "میں تمھاری مہربانی کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اس بیج کو بو دو۔ تمھاری قسمت کھُل جائے گی۔"

اِس سے پہلے کہ اِل چنگ اُس سے کچھ پوچھتا، پرندہ فوراً اُڑ گیا۔ اِل چنگ نے بیج اُٹھا لیا اور پھر اُسے دروازے کے باہر زمین میں بو دیا۔

اگلی صبح جب وہ اُٹھا تو کمرے میں ابھی تک اندھیرا تھا۔ یہ تعجب کرتے ہوئے کہ شاید وہ بہت سویرے اُٹھ گیا ہے اور پھر یہ دیکھنے کے لیے کہ سورج نکل آیا ہے کہ نہیں، اِل چنگ نے بستر سے باہر نکل کر جھانکا۔ اور جیسے ہی اس نے ایسا کیا۔ ایک لمبا سا نرم پتّہ اُس کے چہرے سے ٹکرایا۔ اُس نے اُسے ایک طرف ہٹا دیا۔ مگر پھر دیکھا کہ ہر طرف پتّے ہی پتّے نظر آرہے ہیں۔ پھر جیسے ہی وہ پتّوں کو ہاتھوں سے ایک طرف ہٹا کر اُن کے درمیان سے راستہ بناتا ہوا آگے بڑھا، پتلی سی باریک شاخیں اُس کے چہرے سے لپٹ کر اُس کے کانوں کو گدگدانے لگیں۔

"ارے! یہ تو گول کدّو ہے!" اُس نے حیرت سے کہا۔

پودا اتنا بڑا تھا کہ اُس سے بڑا پودا اُس نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ پودے کی شاخیں جھونپڑی کی چھت کے اوپر چھا گئی تھیں۔ اُس کے نیچے بھی اور جہاں تک اِل چنگ کی نظر جاتی تھی وہاں تک وہ موجود تھیں۔ موٹے اور سبز پتّوں کے نیچے ڈھیر سارے گول اور رسیلے کدّو پڑے ہوئے تھے۔

اِل چنگ یہ سوچ کر بہت خوش ہوا کہ اب اُسے کھانے کی چیزیں تلاش کرنے کے لیے جنگل میں جانا نہیں پڑے گا۔ ایک کدّو توڑ کر وہ جھونپڑی کے اندر آگیا۔

اور پھر جیسے ہی اُس نے کدّو کو کاٹنا شروع کیا ایک تیز چمک نمودار ہوئی۔ جیسے ہی کدّو کے دو حصّے ہوئے۔ اِل چنگ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

کٹے ہوئے کدّو میں سے نکل کر سونے کے سکّوں کا ایک اُبلتا ہوا چشمہ زمین پر گرنے لگا۔

اور وہاں تو ایسے بے شمار کدّو پڑے تھے جو سونے سے بھرے ہوئے تھے اور جو اِل چنگ کے لیے خوشی کا پیغام لائے تھے۔

اِل چنگ اپنی خوش قسمتی پر بہت نازاں ہوا۔ اُس نے دو بڑے کدّو اُٹھائے اور اپنے بڑے بھائیوں کے گھر کی طرف دوڑا۔ باوجود اس کے اُس کے ساتھ بہت سختی سے پیش آچکے تھے، وہ چاہتا تھا کہ اپنی اِس خوشی میں اُنھیں بھی شریک کرے۔

جب اِل چنگ اپنے تحفے کے ساتھ اندر داخل ہوا تو ٹونگ ٹونگی اور سل سری ابھی تک بستر میں لیٹے زور زور سے خراٹے لے رہے تھے۔

"دیکھو دیکھو، میں نے تمھارے لیے کیا لایا ہوں۔" وہ بڑے جذباتی انداز میں چلاّیا اور اُس نے دونوں کدّو میز پر رکھ دیے۔

ٹونگ ٹونگی نے اپنی ایک آنکھ کھولی اور جب اُس نے کدّوؤں کو دیکھا تو پہلے تو اُس کی بھنوئیں تن گئیں اور پھر وہ مغرورانہ انداز میں ہنسنے لگا۔

"ارے، یہ تو صرف کدّو ہیں!" اُس نے کہا۔

سل سری نے جماہی لی اور پھر بڑی سُستی کے ساتھ اُس نے بھی اپنی بھنوئیں اوپر اٹھائیں۔

"ارے، یہ تو صرف ....." اُس نے کہنا شروع کیا۔

"ہمیں کوئی ضرورت نہیں تمھارے کدّوؤں کی۔" ٹونگ ٹونگی نے اِل چنگ سے کہا۔ "ہمارے کھیتوں میں بھی بہت زیادہ ہیں۔"

"صرف کدّو..... کوئی ضرورت نہیں ..... ہمارے کھیتوں میں بھی بہت زیادہ ....." سل سری یہ کوشش کرتے ہوئے بڑبڑانے لگا کہ جو کچھ ٹونگ ٹونگی نے کہا ہے وہی کہے۔

"لیکن بھائی ٹونگ ٹونگی!" اِل چنگ نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کوئی معمولی کدّو نہیں ہیں --- لو دیکھو۔"

اور اتنا کہہ کر اس نے ایک کدّو کاٹا۔ اُس میں سے سونے کے سکّوں کی دھار گرنے لگی۔

ٹونگ ٹونگی اور سل سری اپنی زندگی میں اتنی تیزی اور پھُرتی سے کبھی نہ اُٹھے تھے جیسے کہ اس وقت اُٹھے۔ وہ جلدی سے سونے کی طرف لپکے اور بڑے لالچی انداز سے اُسے

اُٹھانا شروع کر دیا۔ حیرت انگیز بیتابی سے اُنھوں نے دوسرا کدّو بھی کاٹا اور سونے کے سکّے ان کی انگلیوں سے پھسل کر نیچے گرنے لگے۔

"ہی ہی ہی" وہ منہ بند کر کے ہنسے۔ "اِس کا مطلب ہے کم کام اور زیادہ انعام۔"

اِل چنگ نے اپنے بھائیوں کو زخمی پرندے کے بارے میں جب پوری کہانی سُنائی تو وہ جل گئے۔ ٹونگ ٹونگی نے کچھ سوچتے ہوئے اپنا سر کھُجایا۔ وہ کسی گہرے خیال میں غرق تھا۔ اچانک اُسے احساس ہوا کہ اِل چنگ ابھی تک وہیں کھڑا ہوا ہے۔ اُس نے جلدی سے اُسے ایک طرف دھکاّ دے کر کہا۔ "چلو بھاگو۔ ہمیں پہلے بھی تمھاری ضرورت نہیں تھی اور اب بھی نہیں ہے۔"

اِل چنگ کو بہت افسوس ہوا اور وہ واپس مُڑ گیا۔ اُسے تو یہ امید تھی کہ اُس کے بھائی اُسے گھر میں واپس آنے دیں گے۔ مگر ایسا لگتا تھا کہ وہ اُس سے ابھی تک ناراض تھے اور نفرت کرتے تھے۔

"سل سری!" ٹونگ ٹونگی نے اِل چنگ کے جانے کے بعد پکارا۔
مگر جواب کچھ نہ ملا۔

وہ دوبارہ غصّے سے چلاّیا "سل سری۔ کہاں ہو تم؟" اُسے فرش کی جانب سے ایک عجیب سی غرّاہٹ آتی ہوئی سُنائی دی۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کا سُست اور کاہل بھائی سونے کے ڈھیر کے اوپر سر رکھ کر سو گیا ہے۔

ٹونگ ٹونگی نے اُس کے پہلو

ہیں لات ماری اور سل سری غصّے سے چیختا چلاتا فوراً اپنے قدموں پر کھڑا ہوگیا۔

"سنو احمق!" ٹونگ ٹونگی نے کہا اور سل سری جواب میں غرّانے لگا۔ "ذرا جھک جاؤ تاکہ تم میری بات سن سکو۔"

ٹونگ ٹونگی نے اُسے حکم دیا۔ تم کچھ سمجھے؟ کیوں اُس نے ایسی بات کہی؟ بات یہ تھی کہ دراصل ٹونگ ٹونگی قد میں بہت چھوٹا اور موٹا تھا جب کہ سل سری بہت لمبا اور دُبلا پتلا تھا۔ سل سری ہمیشہ اُس سے یہ شکایت کرتا تھا کہ
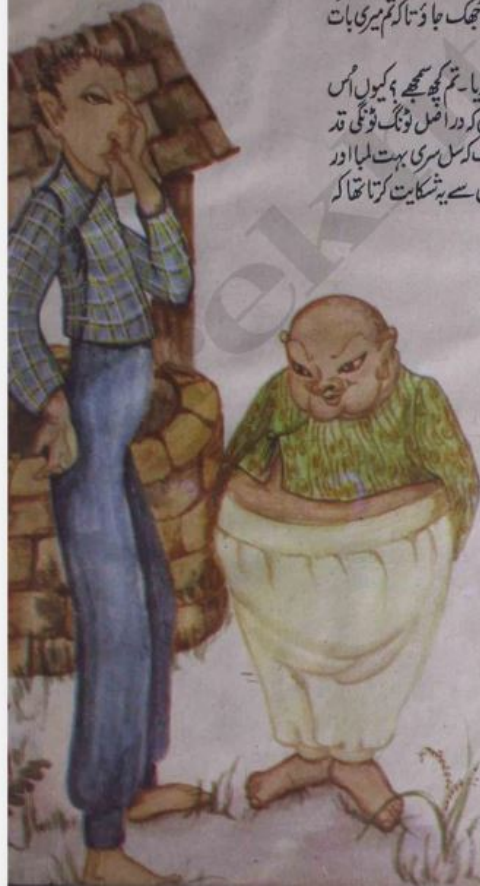
ٹونگ ٹونگی کی آواز اُسے سنائی نہیں دیتی کیونکہ وہ ایک بہت دُور کے فاصلے یعنی بہت نیچے سے بولتا ہے۔

سل سری بہت سعادت مندی سے ٹونگ ٹونگی کی ہدایتیں سُننے کے لیے جُھک گیا۔ اور اس سعادت مندی کا انعام اُسے یہ ملا کے اُس کی ناک پر ایک گھونسا پڑا۔ لیکن اِس خشک برتاؤ پر اُس نے یوں اعتراض نہ کیا کہ وہ اِس کا عادی تھا۔ تم سمجھے؟ اُن دونوں میں سے صرف موٹا بھائی ہی عقل مند تھا۔ چونکہ سل سری کو اپنے ننھے سے دماغ کو استعمال کرنے میں تکلیف ہوتی تھی اِس لیے وہ بھائی کے احکامات پر عمل کرکے مطمئن ہوجاتا تھا، حالانکہ اِن پر عمل کرنے سے اُس کی ناک ضرور سوج جاتی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دونوں بھائی ایک دوسرے سے خوب واقف تھے۔

ٹونگ ٹونگی نے اپنے احمق بھائی کو حکم دیا کہ وہ جنگل میں جاکر ٹوٹے پر والے زخمی پرندے کو تلاش کرے۔

"تم پر لعنت ہے اگر تم خالی ہاتھ واپس آئے۔" اُس نے ڈانٹ کر کہا۔

جب سل سری باہر چلا گیا تو ٹونگ ٹونگی فرش پر بیٹھ کر سونے کے سکّے گننے میں مشغول ہوگیا۔

شام نزدیک آنے لگی تو سل سری بہت پریشان ہوا۔ اُسے ابھی تک ٹوٹے پر والا پرندہ نہ مل سکا تھا۔ یہ خیال کرکے کہ جب وہ زخمی پرندے کے بغیر گھر لوٹے گا تو اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا، اُس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا اور ناک پر سوئیاں سی چبھنے لگیں۔

اچانک اُس نے قریب سے اُڑتے ہوئے ایک ایسے پرندے کو جلدی سے پکڑ لیا جس کا ایک پر ٹوٹا ہوا تھا۔ اُسے ہاتھ میں پکڑ کر وہ فاتحانہ انداز میں ٹونگ ٹونگی کے پاس آیا اور پھر اُسے بتایا کے اُس نے کس طرح پرندے کو پکڑا ہے۔

"ہمیں اِس کا دوسرا پر بھی توڑ دینا چاہیئے۔" سل سری نے اپنی رائے ظاہر کی۔ مگر اِس رائے پر اُسے پھر سے اپنی ناک پر ایک طاقتور مُکا برداشت کرنا پڑا۔ مگر افسوس! سل سری کی ناک تک اُچھل کر پہنچنے میں ٹونگ ٹونگی کا معدہ چکر کھا گیا۔

دونوں بھائیوں نے پرندے کی مرہم پٹی کی۔ اُسے جڑیں اور بیر کھلائے مگر جب پرندے کے تندرست ہونے میں بہت زیادہ وقت لگ گیا تو دونوں باری باری اُسے بُرا بھلا کہنے لگے۔

آخر کار بیچارہ پرندہ ایک دن دوبارہ اُڑنے کے قابل ہوگیا۔ جب وہ اُڑ گیا تو دونوں لالچی بھائی بہت خوش ہوئے۔ اگلے دن پرندہ واپس لوٹا تو اُس کی چونچ میں ایک بیج تھا۔

ناراض بادشاہ

فلیپائن کی ایک لوک کہانی

جنوبی لوزون کی پہاڑیوں میں ایک جگہ ہے جہاں تمباکو اُگانے والے کسان رہتے تھے۔ بہت بہت سال پہلے اس جگہ ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا جس کا نام "ہری کابس کدّ" تھا۔ وہ ایک انصاف پسند بادشاہ تھا اور اُس کی حکومت میں لوگ امیر اور خوش حال تھے۔

بادشاہ، تمباکو اُگانے والے کسانوں کے درمیان پہنچ کر، اُنھیں فصلوں کو بہتر طریقے سے اُگانے کا مشورہ دینے میں ذرا بھی ذلّت محسوس نہ کرتا تھا۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ اُس کا ملک بہترین تمباکو اُگانے والوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ پڑوسی ملکوں کے لوگ میلوں دُور سے بادشاہ ہری کابس کدّ کے ملک میں آتے اور اپنا مال وہاں کے لوگوں سے ادل بدل کرتے۔

ایک دن بادشاہ نے ملک کے تمام بڑے آدمیوں کو بلایا اور کہا: "میں ایک لمبے سفر پر جا رہا ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ کب واپس آؤں گا۔ میرا یہ سفر بہت لمبا ہے اور مجھے دور دراز کے ملکوں کے بادشاہوں سے بھی بہت کام ہے۔"

جتنے بھی لوگ وہاں جمع تھے اُنھیں یہ سُن کر بہت افسوس ہوا کہ فصل تیار ہوجانے کے خاص موقع پر

اُس نے یہ بیج ٹونگ لونگی کے پیروں میں گرادیا اور اُڑ کر دور چلا گیا۔

انھوں نے بڑی احتیاط کے ساتھ وہ بیج زمین میں بو دیا اور پھر ایک بھرپور فصل کے تصوّر کے باعث وہ رات بھر نہ سو سکے۔ اگلی صبح اُنھوں نے دیکھا کہ پودا اُن کے توقع سے بھی زیادہ اونچا اور بڑا اُگا تھا۔

کدّو توڑ کر وہ خوشی خوشی گھر کے اندر آئے۔ جہاں تک اُن سے ہو سکا اُنھوں نے زیادہ سے زیادہ کدّو توڑ کر اندر جمع کر لیے اور پھر باورچی خانے میں استعمال ہونے والی لمبی سی چھری سے پہلا کدّو کاٹ ڈالا۔

ذرا اُن کے خوف اور دہشت کا تصوّر کرو کہ جب چمکتے ہوئے سونے کے سکّوں کی بجائے چپچپاتے اور بل کھاتے ہوئے سانپ، چھپکلیاں اور مینڈک کدّو میں سے باہر نکلنے شروع ہوگئے۔ اس خوفناک منظر کو دیکھ کر اُنھوں نے کپکپا کر کدّو دُور پھینک دیا۔ اِس کے بعد اُنھوں نے دوسرا کدّو کاٹا۔ ایک کدّو کے بعد پھر دوسرا کدّو۔ لیکن سبھی میں سے اینٹھتے اور بل کھاتے ہوئے سانپ نکلنے لگے۔

جلد ہی پورے کمرے میں سانپ ہی سانپ رینگنے لگے۔ اور بل کھا کر دونوں بھائیوں کے ٹخنوں سے لپٹ گئے۔ دونوں نے یہ دیکھ کر خوف سے چیخیں مارنا شروع کر دیں اور جتنی تیزی سے بھاگ سکتے تھے باہر بھاگ گئے۔

مکان سے باہر نکل کر، جنگل کے اندر سے ہو کر وہ شاید اُس شہر سے ہی بھاگ گئے کیونکہ وہاں پھر کبھی وہ کسی کو دکھائی نہ دیے۔

اُن کا بادشاہ وہاں نہ ہوگا۔

"مجھے بھی افسوس ہے۔" بادشاہ نے کہا "کہ فصل کاٹنے کے میلے پر میں یہاں نہیں ہوں گا۔ لیکن مجھے یقین ہے اور تم سب پر بھروسہ ہے کہ تمھارے ہوتے ہوئے سب کام ٹھیک چلے گا۔ اگر میں جلد واپس نہ آؤں تو تمھیں اگلی فصل اُگانے کی تیاری کرنی چاہیئے۔ یاد رکھو ایسا ضرور ہونا چاہیئے کیونکہ ہمیشہ کی طرح یہ فصل بھی اچھی ہونی ضروری ہے تاکہ ہمارا ملک اچھے تمباکو کے لیے ہر جگہ پہچانا جائے۔"

اگلے دن بادشاہ چلا گیا۔ ہر شخص حیرت زدہ تھا کہ نہ جانے وہ کہاں گیا ہے؟

"وہ پہاڑ کے دوسری طرف جا رہا ہے۔" کسی نے کہا۔ "نہیں" دوسرے نے کہا۔ "وہ اس سفر میں سمندروں کے بھی پار زمین کے اُس حصّے کی طرف جا رہا ہے جسے صرف عقاب کی آنکھ ہی دیکھ سکتی ہے۔"

مگر درحقیقت یہ بات کوئی نہ بتا سکا کہ بادشاہ کہاں چلا گیا ہے کیونکہ اس نے اپنے ارادے کسی پر بھی ظاہر نہیں کیے تھے۔

فصل کاٹنے کا وقت آیا اور لوگوں نے دیکھا کہ کھیتی توقع سے زیادہ ہوئی تھی۔

"ہمارے اچھے بادشاہ نے ہمیں بہت ہی اچھے مشورے دیے تھے۔" اُنھوں نے کہا۔

اس سال ہر ایک نے تمباکو کی بہت تعریف کی اور بادشاہ ہری کا بس کڈکی رعایا پہلے سے بھی زیادہ دولت مند ہو گئی۔

"بہت خوب!" بزرگوں نے کہا۔ "لیکن ہمیں بادشاہ کی ہدایات کو نہیں بھولنا چاہیئے۔"

اُنھوں نے فوراً ہی پہاڑوں کے دوسری طرف کام شروع کر دیا تاکہ وہاں نئی فصل بوئی جا سکے۔ اگر بادشاہ اُنھیں اُس وقت دیکھتا تو وہ یقیناً اُن کی محنت اور مشقت پر ناز کرتا۔

دس سال تک لوگوں نے سخت محنت کی اور ہر سال فصل پہلے سے بھی اچھی ہوتی گئی۔ مگر اتنے طویل عرصے میں بادشاہ اپنے سفر سے واپس نہ آیا۔ آہستہ آہستہ اُس کی یاد لوگوں کے دلوں سے ختم ہوتی گئی۔

اگر بادشاہ اپنے ملک میں واپس بھی آجاتا تو مجھے یہ کہنے میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ وہ اُس فصل کو ہرگز نہ پہچان پاتا۔ جیسی فصل وہ وہاں چھوڑ کر گیا تھا، اب وہ اُس سے دس گنا بہتر تھی۔ پہلے جہاں کبھی چھوٹی جھونپڑیاں تھیں وہاں اب بڑے مکان بن گئے تھے اور لوگوں کے لباس بھی پہلے کے مقابلے میں عمدہ ہو گئے تھے۔

شاید اسی وجہ سے حالات میں بھی تبدیلی آگئی تھی۔ کیونکہ اب تمباکو اُگانے والے

کسان عمدہ کپڑے پہننے کے بعد کھیتوں میں کام کرنا اپنی توہین سمجھتے تھے۔

"کیوں بھئی کیا یہ بات ٹھیک ہے۔" وہ ایک دوسرے سے پوچھتے۔ "کہ ہم کھیتوں کو جوتنے میں اپنے اتنے اچھے اور صاف ستھرے کپڑے خراب کریں؟"

تمباکو کے کھیتوں کی طرف توجہ کم ہو گئی۔ وہ نظر انداز کر دیے گئے۔ وہ کھیت جو پہلے کبھی دراصل سونے جیسے اور چمکتے ہوئے پودوں سے بھرے رہتے تھے۔ اب محض مٹی سے اٹے ہوئے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ فصل بے حد خراب تھی!

جب دور دراز سے سوداگر تمباکو خریدنے آئے تو لوگوں نے اُنھیں جواب دیا۔

"اس سال کی فصل بہت خراب گئی ہے۔"

یقیناً وہ سال بہت خراب گیا تھا لیکن اُن میں سے کسی نے بھی حقیقت سمجھنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ لوگ لگاتار اپنے کپڑوں کو مٹی سے بچانے اور دولت جمع کرنے میں لگے رہے
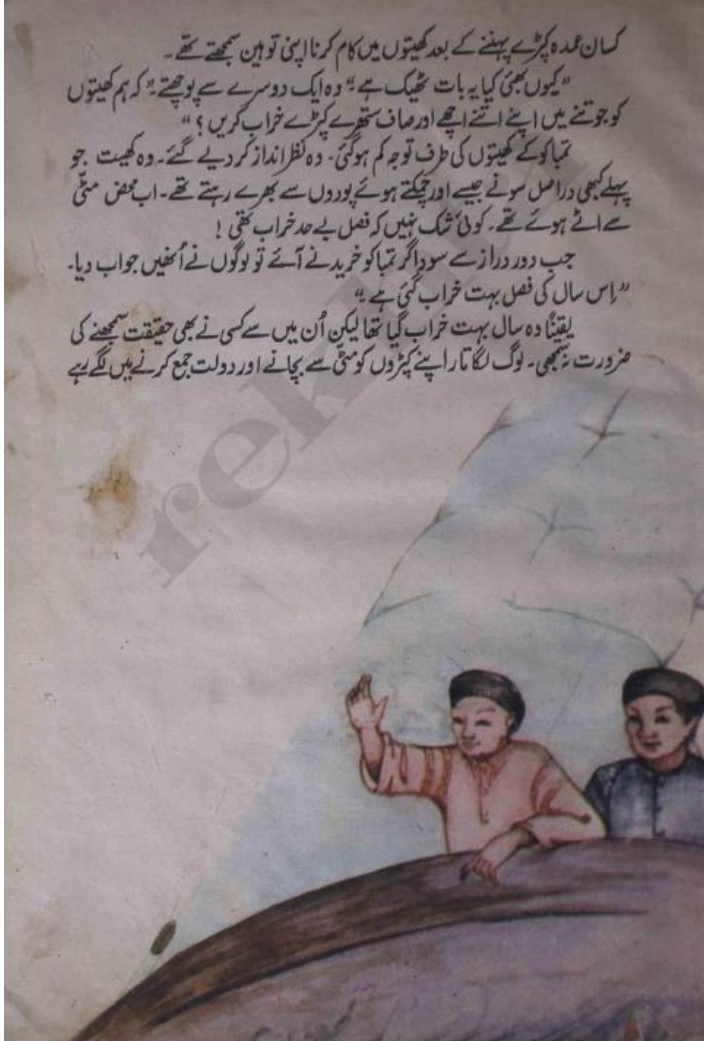
اور تمباکو کے کھیتوں کی طرف اُن کی توجہ کم ہوتی گئی۔
چند سالوں ہی میں وہ ملک اتنا غریب ہوگیا کہ کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ایسا ہوسکتا ہے۔ جو کھیت اتنے لمبے عرصے تک نظر انداز کیے گئے اب وہ چھوٹی سی فصل اُگانے کے قابل بھی نہ رہے تھے۔
"ہم بھوکے مرجائیں گے۔" عورتوں نے شکایت کی۔
"اور کیا تم سمجھتی ہو کہ ہم تم سے بہتر حالت میں ہیں؟" ایک آدمی نے غصّے سے جواب دیا۔
انھوں نے کھیت جوتنے کے مقابلے میں ایک ہی جگہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنے اور ایک دوسرے سے لڑتے رہنے کو ترجیح دی۔ جلد ہی خوبصورت اور حسین مکان بدنما نظر آنے لگے اور لوگ بالکل سُست ہو کر بیٹھ گئے۔
میرے خیال میں تو شاید کوئی زلزلہ بھی اُن لوگوں کی سُستی اور کاہلی کو نہیں جھنجھوڑ سکتا تھا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ پھر ہوا بھی ایسا ہی۔
ایک دن زمین میں زبردست گرجدار گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی اور لوگ خوف زدہ ہو کر تیزی سے اپنے مکانوں سے باہر نکل کر بھاگے۔ شاید کئی سالوں سے اُن میں سے کوئی بھی اتنی تیزی سے نہ بھاگا ہوگا۔ مرد، عورتیں اور بچے چیختے اور چلّاتے ہوئے پہاڑ کی ڈھلانوں سے نیچے بھاگنے لگے۔
"رُک جاؤ!" اچانک ایک تحکمانہ اور گرج دار آواز سُنائی دی۔
بھاگتے ہوئے لوگوں میں سے کوئی بھی اِس حکم کو ماننے سے انکار نہ کرسکا۔
اُن میں سے ایک آدمی رُک کر آہستہ آہستہ مُڑا۔
حیرت کی وجہ سے اُس کا منھ کُھلا کا کُھلا رہ گیا۔ اُس نے اُس شخص کو پہچان لیا تھا جو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوا تھا۔
"بادشاہ سلامت!" وہ چلّایا اور پھر سبھی لوگوں کو اپنا بوڑھا بادشاہ یاد آگیا۔
بادشاہ ہری کابس کِڈ اپنے زبردست غصّے کو لوگوں سے نہ چھپا سکا اور چلّایا:
"تم نے میری نافرمانی کی ہے۔ مجھ سے دھوکا کیا ہے۔ کیا میں نے تم کو حکم نہ دیا تھا کہ میری غیر حاضری میں کھیتوں کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنا؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ زمین کے یہ خشک دھبّے اِس لائق ہیں کہ میرے ملک کے کھیتوں میں نظر آئیں!"
سب طرف خاموشی چھاگئی۔ حتیٰ کہ پہاڑ نے بھی اپنی گرجدار گڑگڑاہٹ بند کردی۔
"جو تمباکو تم نے اِس سال فصلوں سے حاصل کیا ہے، مجھے لاکر دکھاؤ۔" بادشاہ نے

حکم دیا۔
بہت سے آدمی اُس کا حکم بجالانے کے لیے دوڑے اور پھر بڑی شرمندگی کے ساتھ بہت تھوڑی اور معمولی سی فصل بادشاہ کے آگے رکھ دی۔
بادشاہ ہری کابس کِڈ نے کچھ لمحے تک تمباکو کو دیکھا۔
"سنو!" آخر کار اُس نے کہا "میں تمھاری اِس نافرمانی اور کاہلی کو کبھی نہ بھلا سکوں گا تاوقتیکہ میں پہاڑ کی ڈھلانوں پر تمباکو کی ایک عمدہ اچھی فصل نہ دیکھ لوں۔"
اتنا کہہ کر اُس نے وہ تھوڑا سا تمباکو، جو اُس کے سامنے رکھا تھا، اٹھالیا اور آسمان کی طرف سے رُخ پھیر کر اپنا گھونسا بہت زور سے پہاڑ پر مارا۔ جہاں یہ گھونسا پڑا تھا وہاں پر ایک بہت بڑا سوراخ پیدا ہوگیا اور پھر بادشاہ لوگوں کو ہکا بکا چھوڑ کر اُس سوراخ میں داخل ہوگیا۔
بادشاہ ہری کابس کِڈ آج تک پہاڑ کے اندر اچھی فصل کا انتظار کر رہا ہے۔ جب وہ خوش ہوتا ہے تو تھوڑا سا تمباکو پیتا ہے اور اُس کا دھواں پہاڑ کی چوٹی سے اوپر اُٹھتا ہوا نظر آتا ہے۔ ایسا وہ لوگوں کو یہ یاد دلانے کے لیے کرتا ہے کہ وہ ابھی تک پہاڑ کے اندر ہی ہے۔
مجھے یہ سوچتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے کہ جب وہ ناراض ہوگا تو کیا ہوگا؟ کیوں ٹھیک ہے نا؟

بیوہ کے گدھے

چینی لوک کہانی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ چین میں ایک بہت ہوشیار اور نوجوان سوداگر رہتا تھا۔ وہ ایک بہادر آدمی تھا اور بہت دُور دُور تک سفر کیا کرتا تھا۔ جب رات ہو جاتی تو وہ کسی بھی سرائے میں آرام کر لیتا۔ لیکن اس خوف سے کہ کہیں ڈاکو حملہ نہ کر دیں، اپنی تلوار ہمیشہ اپنے پاس رکھتا تھا۔

ایک دن وہ پہاڑوں کے درمیان سے گذرتے وقت بہت تھک گیا اور اُس کے گدھے بھی پیٹھ پر لدے ہوئے بوجھ کی وجہ سے آہستہ آہستہ چلنے لگے۔

"یہ بے چارے گدھے!" سوداگر نے گدھوں پر ترس کھا کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اب تم بہت بوڑھے ہو گئے ہو۔ میرا خیال ہے کہ اب تمھیں آرام کرنے اور سبز میدانوں میں چرنے کے لیے چھوڑ دینا چاہیئے۔"

اچانک سوداگر کو ایک بوڑھا آدمی دکھائی دیا۔ سوداگر اُس کے آگے جھکتے ہوئے بولا: "آداب عرض جناب! دراصل میں دن بھر چلتے چلتے تھک کر چُور ہو گیا ہوں۔ کیا آپ مجھے کسی ایسی سرائے کا پتہ بتا سکتے ہیں جہاں میں رات کو آرام کر سکوں؟"

"ہاں ہاں۔ کیوں نہیں"۔ بوڑھے آدمی نے ڈھلان پر جاتی ہوئی سڑک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "تمھیں صرف وہ موڑ گھومنا ہے۔ پھر تم بیوہ چیانگ کی سرائے

میں پہنچ جاؤ گے۔ سرائے میں بہترین کھانا ملتا ہے جو یہاں میلوں تک بھی کسی کو نصیب نہیں ہو سکتا۔"

ایک لمحے کے لیے وہ بولتے بولتے رُکا اور سوداگر کے بوڑھے تھکے ہوئے گدھوں کو دیکھ کر بولا: "وہ تازہ دم گدھے بھی بیچتی ہے اور وہ بھی اُس کے کھانوں ہی کی طرح مشہور ہیں۔"

سوداگر یہ جان کر بہت خوش ہوا کہ آرام و آسائش والی سرائے اُس سے بہت قریب ہے۔ اُس نے بوڑھے آدمی کا شکریہ ادا کیا اور تیزی سے سرائے کی طرف روانہ ہو گیا۔

سرائے کے پاس پہنچ کر اُس نے دیکھا کہ وہ بہت صاف ستھری ہے اور اُس کے چاروں طرف ایک باغ بھی ہے۔ گدھے گول پتھروں کے بنے ہوئے راستے پر کھٹ پٹ کرتے ہوئے جیسے ہی آگے بڑھے، سرائے کا دروازہ کھلا۔ سوداگر نے دیکھا کہ ایک شریف اور مہربان صورت عورت دروازے میں کھڑی ہوئی ہے۔ "خوش آمدید!" اُس نے سریلی آواز میں کہا۔

پھر اُس نے سوداگر کو وہ اصطبل بھی دکھائے جہاں اُسے گدھوں کی دیکھ بھال خود ہی کرنی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ بیوہ عورت کی سرائے میں کوئی نوکر نہ تھا۔

جب سوداگر اپنے گدھوں کو اصطبل میں باندھ چکا تو پھر وہ ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا جہاں کافی روشنی تھی۔ وہاں بہت سے مسافر پہلے ہی سے بیٹھے ہوئے کھا پی رہے تھے

اور ایک دوسرے کو اپنے اپنے سفر کی کہانیاں سنا رہے تھے۔
"میں نے شمال سے جنوب تک اِن پہاڑی علاقوں میں سفر کیا ہے" ایک نے کہا۔
"مگر اس سرائے جیسی آرام دہ سرائے کہیں اور دکھائی نہیں دی"
"بُڑھیا کے کھانوں کی بھی تعریف کرنی پڑے گی" دوسرے نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
"ہندوستان اور فارس کے سفر میں بھی میری اتنی خاطر تواضع نہ ہوئی تھی جیسی کہ یہاں ہوئی ہے" دوسرے آدمی نے سوداگر سے کہا۔
کھانا واقعی اتنا عمدہ اور ذائقے دار تھا کہ سوداگر نے پہلے کبھی نہ کھایا تھا۔
سب نے رات کا کھانا خوب سیر ہو کر کھایا۔ اور جب وہ کھا چکے تو ریشمی تکیوں سے ٹیک لگا کر اپنی انگلیاں چاٹنے لگے۔
اِس کے بعد بیوہ عورت نے گیہوں سے بنے ہوئے کیک کی ایک پلیٹ میز پر لا کر رکھ دی۔ سوائے نوجوان سوداگر کے سبھی مسافروں نے کیک بڑی خوشی خوشی کھایا۔ سوداگر نے یوں نہ کھایا کہ وہ بہت تھک چکا تھا۔ وہاں سے اُٹھ کر وہ ایک ایسے بڑے اور کُشادہ ہال میں رات گذارنے کے لیے چلا گیا جہاں بہت سے بستر قطار میں بچھے ہوئے تھے۔ کونے کا ایک بستر پسند کر کے وہ اس بستر پر لیٹ گیا اور پھر جلد ہی گہری نیند کی آغوش میں چلا گیا۔
اُسے سوئے ہوئے چند گھنٹے بھی نہ گذرے تھے کہ کسی چیز کے رگڑ کھانے والی ایک آواز نے اُسے اُٹھا دیا۔ وہ اپنی تلوار ہاتھ میں لے کر بستر سے باہر نکلا۔ اُس کے چاروں طرف مسافر بڑے سکون کے ساتھ سو رہے تھے۔ چند لمحوں کے لیے وہ چُپ چاپ کھڑا رہا۔

اچانک اُسے پھر ایک مدھم سی کھرچنے جیسی آواز سنائی دی۔
"شاید سرائے میں چور آ گئے ہیں" اُس نے سوچا۔ "میں اُن بزدلوں سے ضرور نمٹ لوں گا وہ ایک ایسی بوڑھی بیوہ عورت کو لوٹنے آئے ہیں جو اپنی مدافعت بھی نہیں کر سکتی"
وہ خاموشی سے باہر نکلا اور دوسرے کمرے کی کھڑکی میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔ پھر اُس نے جو کچھ دیکھا، اُسے دیکھ کر اُس کا مُنہ حیرت سے کھُل گیا۔ کمرے میں کوئی موجود تھا اور یقیناً وہ ایک عورت تھی!
عورت نے چارپائی کے نیچے سے ایک بہت بڑا صندوق نکالا اور اُس پر جُھک گئی۔ اُس کے کھُلے ہوئے لمبے کالے بال اُس کے شانوں پر لہرانے اور ہوا میں بل کھانے لگے۔
جیسے ہی عورت کھڑکی کی طرف مُڑی، سوداگر خوفزدہ ہو کر فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ پھر وہ اور بھی پیچھے ہٹا کیونکہ عورت بڑی تیکھی نظروں سے اندھیرے کو کُرید رہی تھی۔
"ارے! یہ تو بوڑھی چیانگ ہے!" عورت کا چہرہ کھڑکی میں سے غائب ہوتے دیکھ کر سوداگر نے تعجب سے کہا۔ "مگر اِس وقت اُس کے چہرے پر کیسی شیطنت برس رہی ہے۔ مجھے ضرور دیکھنا چاہیئے کہ وہ کیا کر رہی ہے؟"
بڑھیا دوبارہ صندوق کی طرف پلٹی اور سوداگر بڑی گھبراہٹ کے ساتھ اُس کی نگرانی کرتا رہا۔ عورت نے صندوق میں سے ایک چھوٹا سا لکڑی کا گھوڑا، لکڑی کا ایک آدمی اور ایک ننھا سا ہل نکالا اور پھر نیچے جُھک کر بڑے بھیانک لہجے میں کچھ بڑبڑانے لگی لیکن سوداگر جس جگہ کھڑا ہوا تھا، وہاں سے اُسے الفاظ سُنائی نہ دیے۔
جیسے ہی عورت کی آواز تیز ہوتی گئی۔ گھوڑا، آدمی اور ہل آپس میں مِل کر چلنے لگے اور پھر جلد ہی اُس کمرے کی زمین پر ہل نے لمبی اور سیدھی لکیریں ڈال دیں۔ ایسی ہی لکیریں جیسی کھیتوں میں ہوتی ہیں۔
جب یہ کام ہو گیا تو بیوہ عورت نے لکڑی کے کھلونے دوبارہ صندوق میں رکھ دیے اور پھر مُٹھی بھر کر بہت سارے بیج فرش پر بکھیر دیے۔
سوداگر کو یہ دیکھ کر کس قدر حیرت ہوئی ہو گی! مجھے اس میں ذرا بھی تعجب نہیں ہے، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ہم میں سے کسی نے بھی ایسا منظر کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ جادو کے بیج زمین پر گرے ہی تھے کہ گیہوں کے چھوٹے چھوٹے پودے زمین سے اُگنے لگے اور جلد ہی پورا کمرہ گیہوں کی سُنہری بالیوں سے بھر گیا۔
جس آہستگی سے یہ تمام واقعہ رونما ہوا تھا، اُتنی ہی آہستگی سے عورت نے وہ فصل کاٹی اور پھر گیہوں کے دانے ایک اوکھلی میں ڈال کر موصل سے اچھی طرح کچل ڈالے۔

"آہا ـــ" اُس نے اپنی اس کاروائی سے مطمئن ہو کر کہا۔ "اب تو جادو کے کیک بنانے کے لیے میرے پاس کافی آٹا جمع ہو گیا۔"

سوداگر حیرت سے کچھ سوچتا ہوا اپنے بستر کی طرف لوٹ آیا۔ اُسے بار بار یہی خیال آتا رہا کہ نہ جانے گیہوں کے کیک میں کیا جادو بھرا ہے۔ پھر وہ گہری نیند سو گیا۔ اُسے خوشی تھی کہ اُس نے کیک نہیں کھائے تھے۔

اگلی صبح سوداگر اپنی کہنی کا سہارا لے کر بستر سے اُٹھا اور جب وہ ایک دھچکے کے ساتھ زمین پر کُودا تو اُس کے کانوں میں گدھوں کے رینکنے کی تیز آوازیں آئیں۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر اُس نے آس پاس کے منظر کو دیکھ کر ایک جماہی لی اور دیکھا کہ کمرہ ہر قسم اور ہر سائز کے گدھوں سے بھرا ہوا تھا۔

"یہ سب مسافر کہاں گئے ؟" اُس نے خود سے سوال کیا۔

اچانک اسے پچھلی رات کے تمام واقعات یاد آ گئے۔ اور وہ بُری طرح چیخا۔ "اچھا، میں سمجھ گیا۔ او بوڑھی چالاک عورت! تو نے اپنے جادو کے کیک کھلا کر تمام آدمیوں کو گدھے بنا دیا ہے۔"

کافی دیر تک وہ اِن حالات پر غور کرتا رہا اور پھر اپنا سامان باندھ کر بیوہ چیانگ سے رخصت کی اجازت مانگنے گیا۔

"معاف کرنا اماّں، میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ناشتہ کر سکوں۔" اُس نے بڑھیا سے کہا۔ "لیکن مجھے یقین ہے کہ شاید تم اپنے بنائے ہوئے مزیدار کیک مجھے ضرور دو گی تاکہ میں اُنھیں راستے میں کھا لوں۔"

بیوہ چیانگ یہ سُن کر بہت خوش ہوئی اور اُس نے بڑے شوق سے چند جادوئی کیک سوداگر کو باندھ کر دے دیے۔ اُس نے بڑھیا کا شکریہ ادا کیا اور وعدہ کیا کہ جب وہ لوٹے گا تو سرائے میں ضرور آئے گا۔

اچھا بھئی! اگر میں سوداگر کی جگہ ہوتا تو شاید یوں قسمت کی خوبی سے بچ جانے پر خدا کا شکر ادا کرتا اور پھر کبھی سرائے میں واپس نہ آتا ـــ لیکن سوداگر بلاشبہ مجھ سے زیادہ بہادر اور ہوشیار تھا۔

چند دن بعد ہی وہ سرائے میں واپس آیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ بوڑھی عورت نے جب یہ دیکھا کہ باہر کون کھڑا ہے تو اُس نے حیرت سے ایک لمبا سانس کھینچا۔

"خوب!" سوداگر نے دل میں سوچا۔ "اب اسے حیرت زدہ کرنے کی میری باری ہے۔"

"اماّں! مجھے بہت خوشی ہے کہ میں واپس آ گیا۔" سوداگر نے ہنس کر کہا۔ "مگر افسوس یہ ہے کہ تمھارے دیے ہوئے لذیذ کیک نہیں کھا سکا۔ بات یہ ہوئی کہ جو کیک تم نے باندھ کر دیے تھے وہ راستے میں چند مسافروں نے کھا لیے۔"

"بیٹا مجھے بہت افسوس ہے کہ تم بھوکے رہے۔" بڑھیا نے ہمدردی سے کہا۔ اب اُسے یہ تعجب نہ رہا تھا کہ سوداگر کیک کھا کر گدھے میں تبدیل کیوں نہ ہوا۔ اُس نے مسکرا کر پھر کہا۔ "آؤ، میں نے کچھ تازہ کیک بنائے ہیں۔"

"واہ واـــ خوب!" ہوشیار سوداگر نے کہا۔ "لیکن تمھیں بھی وہ کیک ضرور کھانے پڑیں گے جو میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ شہر کے بہترین اور مشہور باورچی نے اُنھیں تیار کیا ہے۔ تم خود ہی جج بن کر فیصلہ کرو گی۔"

"یقیناً۔ کیوں نہیں۔" بیوہ عورت اتنا کہہ کر چائے لانے کے لیے اندر چلی گئی۔ وہ سوچ ہی رہی تھی کہ ابھی تو اِس بیوقوف کو چند جادو کے کیک کھلانے کا وقت باقی ہے۔"

بڑھیا کے جانے کے بعد سوداگر نے تھیلے میں سے ایک درجن کیک نکالے۔ وہ ہوبہو ویسے ہی تھے جیسے کہ بڑھیا نے اُسے سرائے سے جاتے وقت باندھ کر دیے تھے۔ اِن کے بیچ میں سوداگر نے ایک اور معمولی سا کیک بھی رکھ دیا۔

پھر جب وہ دونوں چائے پینے لگے تو سوداگر نے بڑھیا کو کیک پیش کیے۔ بڑھیا نے ایک کیک اُٹھایا۔ سوداگر نے فوراً ہی بڑی ہوشیاری سے وہ معمولی سا کیک اُٹھا کر کھانا شروع کر دیا۔

"جواب نہیں اِن کاـــ کمال ہے۔" بیوہ عورت نے بڑی حیرت سے کہنا شروع کیا۔ "اگر میں اِنھیں تیار کرتی تو میرے لیے یہ بڑے فخر کی بات ہوتی۔"

جب اُس نے دوسرا کیک کھانے کے لیے اُٹھایا تو سوداگر مسکرا دیا۔

بڑھیا نے جب دوسرا کیک بھی پوری طرح کھا لیا تو سوداگر نے کہا۔ "بڑی بی مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم نے یہ کیک پسند کیے۔ پسند کرنے بھی چاہیئے تھے کیونکہ تم ہی نے تو انھیں بنایا تھا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟" بیوہ چیانگ نے اپنی پچھلی چالاکیوں کو یاد کر کے لرز گئی۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارے ان گیہوں کے کیکوں کا راز کیا ہے" سوداگر نے کہا "مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارے اصطبل میں تازہ دم اور جوان گدھے ہر وقت فروخت کے لیے کیوں موجود رہتے ہیں ؟"

کہتے کہتے وہ کچھ دیر کے لیے رُکا تو بیوہ عورت کا حلق غصے کی وجہ سے سوکھ گیا۔

ہوشیار سوداگر نے پھر کہا :

"اِس وقت تم وہی کھا رہی ہو بڑی بی جو دراصل تمھیں ہی کھانا چاہیئے تھا"

بڑھیا غصے اور خوف کی وجہ سے بُری طرح چیخنے لگی۔ لیکن کیک کھانے کی وجہ سے اُس کے کان پہلے ہی لمبے اور بھورے رنگ کے ہونے لگے تھے۔ جلد ہی اُس کی غصیلی آواز گدھی کے رینکنے میں تبدیل ہو گئی۔

اب یہ ماننا پڑے گا کہ بیوہ چیانگ ایک عمدہ اور خوبصورت گدھی بن گئی تھی !

لکڑی کا ہاتھی

سری لنکا کی ایک لوک کہانی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بہت ہی دولت مند اور لالچی راجا تھا جس کا نام چنداپا جوٹا تھا۔ وہ اپنے وقت کا زیادہ تر حصہ اپنی دولت اور خزانے کو دیکھنے بھالنے میں ہی صرف کرتا تھا۔ خزانے کی رقم گنتے رہنے اور اپنے ہاتھیوں کی تعداد شمار کرنے کے علاوہ اُسے اور کسی کام سے دلچسپی نہ تھی کیونکہ شاید تمھیں یہ معلوم نہیں کہ راجا چنداپا جوٹا کے زمانے میں کسی بھی شخص کی دولت اِس پیمانے سے ناپی جاتی تھی کہ اُس کے پاس کتنے ہاتھی ہیں !

ایک دن راجا جب اپنے وزیروں کے ساتھ سیر کر رہا تھا تو کہنے لگا "مجھے یقین ہے کہ میں بے حد خوش قسمت انسان ہوں کیونکہ یقیناً میں دنیا کا سب سے مال دار راجا ہوں"

چونکہ راجا بہت مغرور اور غصے کا تیز تھا اِس لیے کسی بھی وزیر کو جواب دینے کے لیے خود میں بڑی ہمت پیدا کرنی پڑتی تھی۔ پھر بھی ایک نے جلدی سے کہا :

"نہیں مہاراج ، پڑوسی ملک کا راجا اُڈینا اتنا امیر ہے کہ دوسرے راجا اُس کے مقابلے میں غریب معلوم ہوتے ہیں"

راجا یہ سُن کر بہت ناراض ہوا۔ اُس میں اچانک چڑچڑا پن پیدا ہو گیا اور بڑی ناراضگی اور چڑچڑاہٹ کے ساتھ اُس نے پوچھا "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ کیا میں تمام راجاؤں میں سب سے زیادہ طاقتور اور امیر نہیں ہوں۔ میرا خزانہ جس قدر دولت سے بھرا ہوا ہے، یقیناً اُتنی دولت کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے !"

وزیر نے اُس کی بات سُن کر پھر کہا "مہاراج ! اُس راجا کو ایک ایسا منتر یاد ہے جسے بجا کر وہ دنیا کے کسی بھی ہاتھی کو قابو میں کر سکتا ہے۔ اُس کے جادوئی ستار سے جو نغمہ نکلتا ہے وہ ان گنت بھاگتے ہوئے ہاتھیوں کو روک چکا ہے"

راجا چنداپا جوٹا یہ بات برداشت نہ کر سکا کہ کسی اور راجا کے پاس اُس سے زیادہ ہاتھی ہوں۔ اچانک اس کے دماغ میں ایک ایسی ترکیب آ گئی جس پر عمل کرنے سے وہ بھی جادوئی نغمہ سیکھ سکتا تھا۔

کئی دن بعد اُس نے ملک کے بڑے بڑے اور عقل مند انجنیروں کو بلا کر یہ حکم دیا کہ وہ لکڑی کا ایک ایسا کھوکھلا ہاتھی بنائیں جو کسی بھی زندہ ہاتھی یا گھوڑے سے زیادہ تیز

دوڑ سکے۔

جب ایسا کھوکھلا ہاتھی تیار ہو گیا تو راجا اُسے دیکھنے گیا اور اُس کا اچھی طرح معائنہ کر کے بولا: "بالکل ٹھیک۔ میرے ساٹھ جاں باز سپاہی اِس کھوکھلے ہاتھی میں سما جائیں گے۔"

ساٹھ سپاہیوں کو اپنے پیٹ میں چھپانے کے بعد وہ لکڑی کا ہاتھی راجا اُڈینا کے ملک کی سرحد کی طرف چل پڑا۔

راجا اُڈینا کے ایک جاسوس نے جلد ہی اس عجیب وغریب ہاتھی کو دیکھ لیا
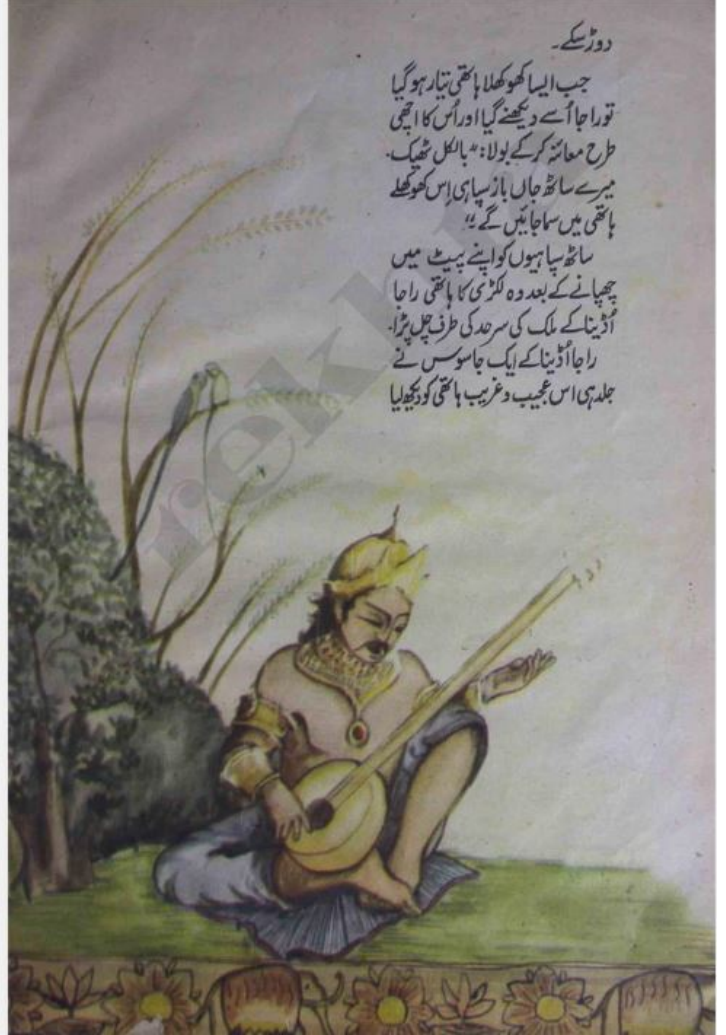
اور یہ بتانے کے لیے وہ محل کی طرف دوڑا کہ اُس نے کیا حیرت انگیز چیز دیکھی ہے۔

راجا اُڈینا کی دلچسپی اُبھری اور وہ فوراً اپنا جادوئی ستار ہاتھ میں لے کر ہاتھی کو قابو میں کرنے کے لیے چل پڑا۔

جیسے ہی اُس کی نظر ہاتھی پر پڑی، ہاتھی پلٹ کر راجا چنداپا جوٹا کے ملک کی طرف بھاگنے لگا۔

راجا اُڈینا نے فوراً اپنے جادوئی ستار پر جادو کا نغمہ بجانا شروع کر دیا اور مُنھ سے منتر بھی پڑھنے لگا۔ مگر سب بیکار! لکڑی کے ہاتھی کو بھاگنے سے کوئی بھی چیز نہ روک سکی۔

"یہ تو بڑا عجیب ہاتھی ہے جو میرے ستار کی آواز سُن کر بھی نہیں رُکتا۔" راجا نے دل میں سوچا۔ "مگر خیر کوئی بات نہیں۔ میں اِسے ہرگز نہ بھاگنے دوں گا۔"

اُس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہاتھی کا تعاقب کرنے لگا۔ کئی میل تک اُس نے ہاتھی کا پیچھا کیا مگر اُس کا گھوڑا ہاتھی کے مقابلے میں زیادہ تیز نہ دوڑ سکا۔ لیکن راجا اُڈینا اتنی جلدی ہار مان لینے والوں میں سے نہ تھا اس لیے ہاتھی جب تک رُک نہ گیا اُس نے تعاقب جاری رکھا۔

اچانک راجا چنداپا جوٹا کے سپاہی لکڑی کے ہاتھی میں سے اتنی تیزی سے باہر نکلے کہ راجا اُڈینا کو اپنا گھوڑا روکنے کا بھی موقع نہ ملا۔

اب مجھ کو اور تمھیں تو یہ حقیقت معلوم ہے کہ ہاتھی اصلی نہیں تھا۔ لیکن راجا اُڈینا بے خبر تھا۔ تم ذرا اُس کی حیرت کا اندازہ کرو جب اُس نے ہاتھی کے پیٹ میں سے سپاہیوں کو کود کر باہر نکلتے دیکھا!

اِس سے پہلے کہ راجا کے اوسان بحال ہوتے، سپاہیوں نے اُسے گرفتار کر لیا اور پکڑ کر اپنے راجا کے پاس لے گئے۔ راجا اُڈینا کو یہ جان کر بہت غصّہ آیا کہ اُس کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔

"تم نے مجھے اتنے گھٹیا طریقے سے کیوں گرفتار کیا ہے؟" اُس نے سپاہیوں سے پوچھا مگر وہ چُپ رہے۔

راجا چنداپا جوٹا یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ اُس کی ترکیب کارگر ہو گئی تھی۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم جادوئی منتر جانتے ہو" اُس نے خوبصورت اور نوجوان راجا کوچالاکی سے مُسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تم مجھے وہ منتر سکھادو تو میں تمھیں ذراسی بھی تکلیف نہ دوں گا اور تمھیں بحفاظت تمھارے ملک میں واپس بھیج دوں گا۔"

راجا اُڈینا نے جواب دینے سے پہلے چند لمحوں کے لیے سوچا اور پھر بولا:

"میں تمھیں جادو کا نغمہ سکھا دوں گا۔ لیکن تمھیں میرا اُتنا ہی احترام کرنا پڑے گا

جتنا کہ تم اپنے استادوں کا کیا کرتے تھے۔"

راجا چنداپاجوتا کا مُنھ حیرت سے کُھلا کا کُھلا رہ گیا۔ اُس کا خیال تھا کہ چونکہ وہ بادشاہ ہے اس لیے سب لوگ اُس سے کمتر اور گھٹیا درجے کے ہیں۔ اس کے لیے کسی دوسرے کی عزت کرنا ایسا تھا گویا وہ کسی ہاتھی کو اُڑتے دیکھ لے!

"کیا تم ہر اُس شخص کو جادوئی نغمہ سکھا دوگے جو تمھاری عزت کرے گا؟" اُس نے
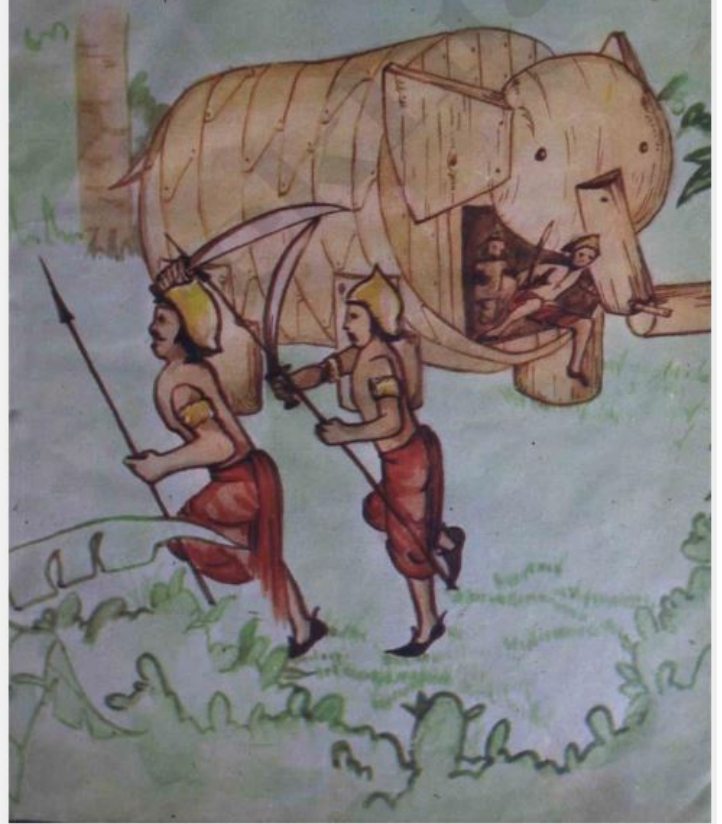
راجا اُڈینا سے پوچھا۔

"یقیناً" نوجوان راجا نے جواب دیا۔

یہ جواب سُنتے ہی راجا چنداپا جوٹا کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔ اُس کی ایک لڑکی تھی جس کا نام وسولادتا تھا۔ وہ راجا اُڈینا سے جادوئی نغمہ سیکھ سکتی ہے۔ لیکن اُسے یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں وہ نوجوان راجا سے محبّت نہ کرنے لگے۔ اُس نے کچھ دیر تک اپنی ڈاڑھی کھینچتے ہوئے خوب غور کیا۔ آخر کار اُسے ایک ترکیب سوجھ ہی گئی۔

"میری ایک کُبڑی لڑکی ہے" اُس نے راجا اُڈینا سے کہا۔ "تمھاری خواہش کے مطابق وہ تمھاری زیادہ سے زیادہ عزّت کرے گی اور تمھیں اُسے وہ نغمہ سکھانا ہوگا۔"

راجا اُڈینا نے بڑی خوشی سے یہ بات مان لی۔

"لیکن اُسے اپنے کُبڑے پن سے شرم آتی ہے" راجا چنداپا جوٹا نے کہا۔ "لٰہذا جب تم اُسے سکھاؤگے تو تم دونوں کے بیچ میں ایک پردہ لٹکا رہے گا۔"

جب یہ طے پاگیا تو راجا راجکماری کے پاس گیا اور اُسے بتایا کہ اُسے کیا کرنا ہے۔ "اور بیٹی وہ آدمی کوڑھی ہے اِس لیے جب تم نغمہ سیکھوگی تو وہ ایک پردے کے پیچھے رہے گا۔"

اگلے دن راجا اُڈینا نے راجکماری وسولادتا کو جادوئی نغمہ سکھانا شروع کر دیا۔ پہلے دو دن تک تو اُس نے بڑی توجہ سے منتر سُنا اور راجہ کے کہے ہوئے لفظ دوہرائے لیکن تیسرے دن وسولادتا کی توجہ بھٹکنے لگی اور اُسے یہ یاد نہ رہ سکا کہ پچھلے دنوں اُس نے کیا سیکھا تھا۔ وہ غلطیاں کرنے لگی۔ ایک دن راجا اُڈینا اِن غلطیوں کو برداشت نہ کرسکا اور راجکماری پر بہت غصّہ ہوا۔

"احمق کُبڑی لڑکی!" وہ غصّے سے چلایا۔ "اگر تم سو سال تک بھی کوشش کرو تو جادو کا نغمہ نہیں سیکھ سکتیں۔"

وسولادتا نے جب یہ سُنا کہ وہ اُسے کُبڑی لڑکی کہہ رہا ہے تو وہ بھی غصّے سے بے قابو ہوگئی۔

"ڈراؤنے اور بھیانک کوڑھی!" اُس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا: "تمھیں یہ جرأت کیسے ہوئی کہ میری بے عزّتی کرو؟"

راجا اُڈینا بھی اِس اندازِ گفتگو سے طیش میں آگیا۔ اُس نے اُس پردے کو جو دونوں کے درمیان حائل تھا پھاڑ دیا اور راجکماری سے لڑنے کے لیے تیار ہوگیا۔

لیکن جب اُنھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو راجا اور وسولادتا کو بڑا تعجب ہوا۔ اُن میں سے کوئی بھی اتنا بدصورت اور بے ڈھنگا نہ تھا جیسا کہ راجا چنداپا جوٹا نے

اُنھیں بتایا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وسولادتا اتنی حسین اور خوبصورت تھی کہ اُس سے زیادہ خوبصورت لڑکی راجا اُڈینا نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ وہ فوراً اُس کی محبت میں گرفتار ہوگیا۔ اور کچھ ایسی ہی حالت وسولادتا کی بھی ہوئی کیونکہ اُڈینا بھی بہت باوقار اور نوجوان شخص تھا۔

دونوں کو فوراً ہی یہ احساس ہوگیا کہ چالاک راجا چنداپا جوٹا نے اُن سے کیا چال چلی ہے! وسولادتا نے راجا اُڈینا نے وعدہ کرلیا کہ وہ اُس کے فرار ہونے میں پوری مدد دے گی۔

جب راجا چنداپا جوٹا اُس سے بار بار دریافت کرتا کہ کیا اُس نے جادوئی نغمہ سیکھ لیا ہے تو وسولادتا جواب دیتی کہ ابھی نہیں، لیکن جلد ہی وہ اُسے اچھی طرح سیکھ لے گی۔ ایک دن اُس نے راجا سے کہا:

"پتا جی، اب میں وہ جادو کا نغمہ مکمل طور سے سیکھ چکی ہوں۔ لیکن اگر ملک کے آخری حصے میں اُگنے والی ایک بوٹی مجھے مِل جائے تو یہ نغمہ اور زیادہ با اثر ہو جائے گا۔ اور درحقیقت یہ بوٹی راجا اُڈینا کے ملک کی سرحد ہی پر ملتی ہے۔"

راجا چنداپا جوٹا کو نفعے کا اتنا لالچ تھا کہ اُس نے پہرے داروں کو حکم دے دیا کہ راجکماری جب کبھی سرحد تک جانے کی خواہش کرے وہ اُسے دروازوں اور راستوں سے گذرنے دیں۔

راجا اُڈینا اور وسولادتا بڑے صبر سے وقت کا انتظار کرتے رہے۔ آخر ایک دن جب راجا چنداپا جوٹا کہیں شکار کے لیے گیا تو اُنھوں نے جلدی سے سونے کے سکوں سے ایک تھیلا بھرا اور ایک طاقتور اور تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر محل کے مختلف دروازوں سے بڑی آسانی سے گذر گئے۔

وہ دونوں تقریباً راجا اُڈینا کے ملک کی سرحد تک پہنچ گئے تھے کہ اچانک راجا چنداپا جوٹا کے سپاہی اُنھیں گرفتار کرنے کے لیے پہنچ گئے۔ راجا اُڈینا نے یہ دیکھ فوراً تھیلے کا منھ کھول دیا اور سونے کے سکّے سب طرف بکھیر دیے۔ جیسا کہ اُسے پہلے ہی سے یقین تھا، سپاہی بھی راجا چنداپا جوٹا ہی کی طرح بہت زیادہ لالچی تھے۔ اُنھوں نے فوراً تعاقب بند کر دیا اور سکّے اُٹھانے میں لگ گئے۔

وسولادتا اور راجا اُڈینا یہ دیکھ کر سرحد کے پار محفوظ جگہ پر پہنچ گئے

راجا چنداپا جوٹا نے جب یہ واقعہ سُنا تو وہ سپاہیوں پر بہت بگڑا اور نا امیدی و لاچاری کے باعث بار بار اپنے پیر پٹخنے لگا۔ اب وہ راجا اُڈینا کو کسی بھی طرح نقصان نہ پہنچا سکتا تھا۔

اگر اُس کی جگہ میں ہوتا، تو اور زیادہ کی خواہش کرنے کی بجائے جو کچھ مجھے ملا تھا اُسی پر قناعت کرتا۔

جادو کا کوٹ

جاپانی پریوں کی کہانی

بہت بہت پرانے زمانے کی بات ہے کہ مشرق کی طرف کسی جگہ پر ایک عجیب گاؤں تھا اور اُس میں رہنے والے لوگ بھی بہت عجیب و غریب تھے۔ اُن میں سے کسی بھی مرد یا عورت کے سر کا سائز اور بناوٹ ایک عام انسان سے بالکل جُدا تھی۔ کچھ کے سر لمبوترے اور گنجے تھے۔ کچھ کے بڑے اور گول اور بہت سوں کے ایسے انوکھے کہ یوں لگتا تھا گویا اُن کے کندھوں پر سروں کی جگہ آلو اُگے ہوئے ہوں۔ اِس کے علاوہ وہ حد سے زیادہ بُدھو اور نا سمجھ بھی تھے۔

اُن میں سے ایک شخص جو بہت ہی کاہل اور بیکار سا تھا اور جس کا نام اوڈو تھا ہمیشہ نت نئی شرارتیں کرتا رہتا تھا۔ وہ اپنے پڑوسیوں کو بہت زیادہ پریشان کرتا تھا حالانکہ وہ اُس سے ہمیشہ اچھا سلوک کرتے تھے۔ اِس کے باوجود ایک دن اوڈو کی شرارت نے اُنھیں بہت زیادہ تکلیف پہنچائی اور یہ واقعہ اُس وقت رونما ہوا جب اُس نامعقول اور احمق آدمی نے ایک ٹنگو کے ساتھ شرارت کرنے کی بات سوچی۔

ٹنگو بہت زیادہ بے ڈھنگا اور بدنما سا تھا۔ ٹنگو کے معنی ہیں: لمبی ناک والا بونا۔ اور اس ٹنگو کی ناک واقعی بہت زیادہ لمبی تھی۔ کمر پر دو بڑے بڑے پر تھے اور اس کا لباس بھی بڑا عجیب تھا۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ جادو بھی جانتا تھا۔ صرف ایک بیوقوف انسان ہی کسی ٹنگو کے ساتھ شرارت کرنے کی سوچ سکتا تھا اور اوڈو ایسا ہی ایک بیوقوف تھا!

ایک دن بیوقوف اوڈو نے لمبے سے بانس میں سے ایک چھوٹا ٹکڑا کاٹ لیا اور پھر سوچنے لگا کہ اُس کا کیا کرے؟ پہلے تو اُس نے سوچا کہ اُس میں کنکریاں بھر کر پھونک مارے اور انھیں دُور پھینکے۔ لیکن پھر اُسے خیال آیا کہ بانس کے ایک کھوکھلے ٹکڑے سے بڑی اچھی دُوربین بن سکتی ہے۔

اُس نے اپنی ایک آنکھ بانس کے ٹکڑے سے لگا کر دوسرے سرے میں سے دیکھا۔ اور پھر یہ دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا کہ ایک ٹنگو بونا اُس کی طرف اُڑتا ہوا چلا آ رہا ہے!

"ارے واہ!" اوڈو نے خود سے کہا، "میں اس ٹنگو کے ساتھ شرارت کر کے دھان کی بالیوں سے بنا ہوا اس کا خوبصورت کوٹ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

اُس نے ظاہری دلچسپی کے ساتھ بانس کے سرے سے آنکھ لگا کر دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ کبھی وہ خوش ہو کر "اوہ" کہتا اور کبھی "واہ"۔ دوسرے ٹنگو بونوں کی طرح یہ ننھا سا بونا بھی بہت زیادہ بے صبر تھا۔ وہ اُچھلتا کودتا یہ دیکھنے کے لیے اُترا کہ اوڈو کیا کر رہا ہے۔ بہت ہی باریک اور چیں چیں کرتی ہوئی آواز میں اُس نے اوڈو سے کہا کہ وہ بھی

بانس کے ٹکڑے میں سے جھانک کر دیکھے گا۔

"کیا ۔۔۔؟" اوڈوکو دہاڑا۔ "بھلا میں تمھیں اُس دوربین میں سے کیسے دیکھنے دوں جو خاص طور سے میرے ہی لیے بنائی گئی ہے ۔۔۔ نہیں ہرگز نہیں۔"

وہ بانس کی نلکی میں پھر سے جھانکتے ہوئے بڑبڑانے لگا۔ "ارے واہ! کتنا خوبصورت منظر ہے چاند کا! یار ٹنگو! کیا تم یہ منظر دیکھنا نہیں چاہتے؟ مجھے تو بھئی چاند کے میدان اور گھاٹیاں بالکل صاف نظر آرہی ہیں۔"

بیچارے ٹنگو کی بے صبری اور بیتابی مسلسل بڑھ رہی تھی۔
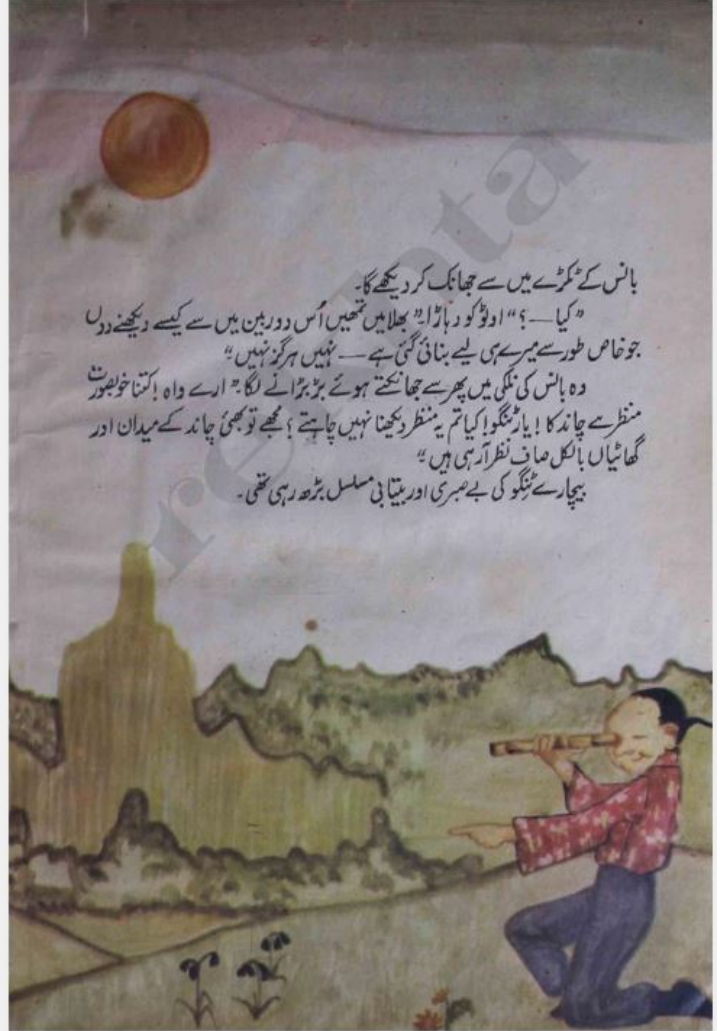
"مجھے بھی دیکھنے دو۔" اُس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "تمھاری بڑی مہربانی ہوگی۔ اگر تم مجھے اس میں سے دیکھنے دو۔ صرف ایک جھلک دیکھنے کے لیے چاہے تم میرے جوتے یا میری چمکیلی کالی ٹوپی لے لو۔"

"نہیں۔" اوڈوکو نے سختی سے جواب دیا۔ "البتہ میں یہ ضرور کر سکتا ہوں کہ اگر تم مجھے اپنے کوٹ دے دو تو میں تمھیں دُوربین میں سے جھانکنے کا موقع دے دوں۔"

اس سے پہلے کہ اوڈوکو اپنا خیال بدلتا۔ احمق بونے نے جلدی سے بانس کا ٹکڑا پکڑ لیا اور اپنا کوٹ اُتار کر اوڈوکو کے ہاتھ میں تھما دیا۔

اوڈوکو تو اسی بات کا منتظر تھا۔ وہ کوٹ لیتے ہی جتنا تیز بھاگ سکتا تھا بھاگ لیا۔ اور بیچارہ ٹنگو اس بات پر حیرت کرتا رہ گیا کہ کہیں اُس کا جادو یا بینائی کمزور تو نہیں ہوگئی؟ کیونکہ بانس کے کھوکھلے ٹکڑے میں سے اُسے جو کچھ بھی نظر آیا وہ صرف ایک چھوٹا سا گول نیلا آسمان تھا!

ٹنگو کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی اوڈوکو نے اُس کا کوٹ پہن لیا۔ اِس کے بعد تم جانتے ہو کہ کیا ہوا؟ ہونا کیا تھا! بس کوٹ پہنتے ہی وہ غائب ہوگیا۔ وہ دل ہی دل میں بہت خوش ہوا اور پھر سڑک پر ہلکے ہلکے قدم رکھتا ہوا ایک گاؤں میں پہنچ گیا۔

"اب کچھ مزا آئے گا۔" اُس نے سوچا۔ "کتنا بڑا کمال اور طاقت مجھے حاصل ہوگئی ہے۔
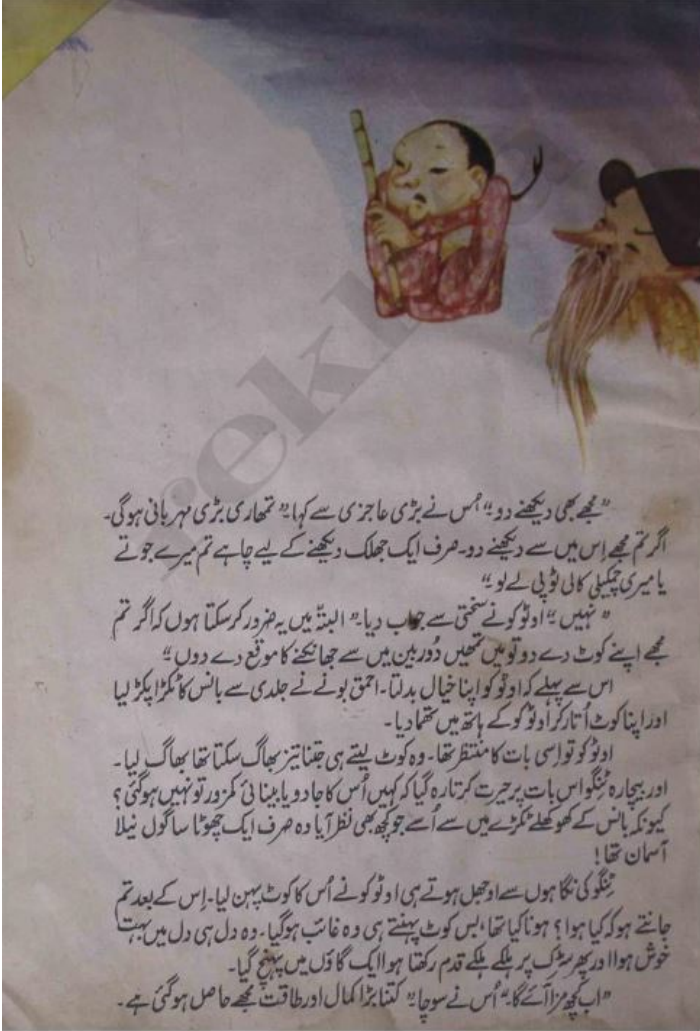
واہ وا — کتنی خوشی کی بات ہے۔"

اب اُس کے پاس لوگوں کو چھیڑنے، دھکا دینے اُن کی ناکوں پر چٹکیاں لینے اور اُنھیں ڈرانے کا بہت زیادہ اور کافی وقت تھا۔

قسمت کی خوبی دیکھو کہ عین اُسی وقت ایک مغرور امیر اُسے سڑک پر چلتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ اپنی چھنگلی میں پڑی ہوئی خوبصورت انگوٹھی کو تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا اچل رہا تھا۔ ابھی وہ سڑک کے بیچ میں ہی پہنچا تھا کہ اُس نے کسی کو اپنے بائیں کان کی لَو میں چٹکی بھرتے ہوئے محسوس کیا۔ وہ فوراً ہی غصّے سے مڑا مگر پھر اچانک دائیں کان کو بھی کسی نے پکڑ کر کھینچا۔ پھر کسی نے اُسے اُٹھا کر ہوا میں دوبارہ گھمایا اور دھڑام سے نیچے زمین پر پٹخ دیا۔ کتنا عجیب منظر تھا وہ، جب لوگوں نے مغرور امیر کو مٹی اور کیچڑ میں گرے ہوئے دیکھا! حالانکہ گاؤں والے یہ منظر دیکھ کر ڈر گئے تھے اِس کے باوجود وہ زور زور سے قہقہے لگانے۔

اوٹو کو دل ہی دل میں خوش ہوتا اور منہ سے سیٹی بجاتا ہوا لگاتار چلتا رہا۔ ابھی وہ چند قدم ہی چلا ہوگا کہ اُس نے ایک مزدور کو بغل میں ایک گٹھڑی دبائے جاتے دیکھا۔ اوٹو کو نے جلدی سے وہ گٹھڑی چھین لی اور اُس میں سے دو اُجلی جرابیں نکال لیں۔ تم اُس مزدور کے خوف اور حیرت کا اندازہ کرو۔ جب اُس نے اپنی جرابوں کو خود بخود گٹھڑی میں سے نکل کر ہوا میں پھڑپھڑاتے اور پھر کیچڑ سے بھرے ہوئے گڈھے میں گرتے دیکھا۔

"ارے میری جرابیں گئیں!" وہ چیختا چلاتا تیزی سے سڑک پر بھاگنے لگا۔

اوٹو کو اپنی اس حرکت پر بہت خوش ہوا۔ اُس نے بڑی بیتابی اور بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھا کہ اب اور کیا کرے؟ قریب ہی ایک نرسری اسکول کو دیکھ کر اُس کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں اور وہ بڑی پھرتی سے ایک کلاس میں داخل ہوگیا۔ اُستاد کی کمر دروازے کی طرف تھی اور وہ بلیک بورڈ پر سوال لکھ رہے تھے۔ 2+2 = ؟۔ اور اِس سے پہلے کہ آگے جواب لکھا جاتا اوٹو کو نے جلدی سے بلیک بورڈ پر 5 کا ہندسہ گھسیٹ کر لکھ دیا۔

اُستاد نے تعجّب سے اپنا سر کھجایا۔ بچّوں نے پہلے حیرت سے بلیک بورڈ کو دیکھا، پھر اپنی انگلیوں کو اور پھر بلیک بورڈ کو۔ اُن میں سے کچھ اُنگلیوں پر گن رہے تھے۔

"میرے حساب سے تو جواب چار ہونا چاہیے۔" اُستاد بڑبڑایا۔ "لیکن بورڈ پر یہ پانچ کا ہندسہ کہاں سے آگیا؟" اُس نے دوسری بار اپنا سر کھجایا۔ "اپنے دماغ کا کہا مانوں یا بلیک بورڈ کا؟"

"دو اور دو پانچ ہوتے ہیں ماسٹر جی۔" اوٹو کو نے اُستاد کے کان میں سرگوشی کی اور پھر بڑی بے ہودگی اور احمقانہ طریقے سے ہنستا ہوا کلاس سے باہر بھاگ گیا۔

لیکن اب کلاس میں گڑبڑ اور بے چینی پھیل گئی۔ بچے آپس میں لڑنے جھگڑنے اور چیخنے لگے۔ وہ کہہ رہے تھے۔

"چار ہوتے ہیں۔" "نہیں پانچ ہوتے ہیں۔" "ارے بیوقوف چھ ہوتے ہیں۔"

ایک موٹے لڑکے نے اپنے ہاتھوں کی دو اُنگلیاں اُٹھا کر پوچھا۔ "اب بتاؤ کتنی ہوئیں؟"

"آٹھ۔" دوسرا لڑکا چیخا۔ "تمھاری اُنگلیاں اتنی موٹی ہیں کہ ایک انگلی دو کے برابر ہے۔" اُس نے زبان نکال کر موٹے کو چڑایا اور موٹا لڑکا غصّے سے چیخنے لگا۔

چالاک اوٹو کو کچھ دیر آرام کرنے کے لیے اپنے گھر واپس آگیا۔ اُس نے کوٹ اُتار دیا اور کچھ دیر آنکھیں بند کر کے نیند لینے کی سوچنے لگا تاکہ شام کو شرارت کرنے کے لیے تازہ دم ہو جائے۔

جب وہ سو گیا تو اُس کی ماں کمرے میں آئی اور کرسی پر لٹکتے ہوئے کوٹ کو دیکھا۔

"اُفوہ! کتنا گندہ کوٹ ہے؟" اُس نے بُرا سا مُنھ بنا کر کہا۔ اور آہستہ سے کوٹ کو اِس طرح اُٹھایا کہ وہ اُس کے جسم سے چھونے نہ پائے اور الگ تھلگ رہے۔ پھر باورچی خانے میں جا کر اُس نے کوٹ آگ میں ڈال دیا۔

جب اوٹو کو معلوم ہوا کہ اُس کی ماں نے کیا کام دکھایا ہے تو اُسے بہت غصّہ آیا مگر کیا سکتا تھا۔ اُس نے راکھ اُٹھائی اور باغ کے ایک کونے میں پہنچ کر راکھ اپنے پورے جسم پر مل لی۔ ایسا کرتے ہی وہ آہستہ آہستہ غائب ہونا شروع ہو گیا اور جب اُس کے جسم کا معمولی حصّہ بھی دکھائی دینا بند ہو گیا تو وہ ہلکے قدم اُٹھاتا ہوا گاؤں کی طرف چل دیا۔ سرائے میں سے لوگوں کے ہنسنے اور باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اُس کے نتھنوں میں جب گرم گرم کھانوں کی خوشبو پہنچی تو معدہ بھوک کی وجہ سے گڑگڑانے لگا۔ چپکے سے وہ سرائے کے اندر داخل ہوا اور بڑے صبر کے ساتھ انتظار کرنے لگا کہ لوگ مزیدار اور گرم شوربہ کب پینا شروع کرتے ہیں۔ جب وہ وقت آ گیا تو وہ کھِسک کر آگے بڑھا اور شوربے سے بھرے ہوئے کٹورے سے مُنھ لگا کر سڑپ سڑپ کر شوربہ پینے لگا۔

سرائے کے مالک کے کُتّے نے پہلے تو اپنی ناک چڑھا کر اُسے سونگھا اور پھر اوٹو کی ٹھوڑی چاٹنے لگا۔ (بات یہ ہے کہ جو چیزیں یا بھوت نظروں سے غائب ہوتے ہیں وہ کُتّوں کو ضرور دکھائی دے جاتے ہیں۔)

ہر شخص نے جلدی سے گھوم کر کُتّے کو دیکھا جیسے ہوا کو چاٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُنھیں کٹورے کے پاس سے کسی کے سڑپ سڑپ کر کے کچھ پینے کی آواز آ رہی تھی۔ اچانک کٹورے کے کنارے سے لگے ہوئے دو موٹے موٹے سرخ ہونٹ نمودار ہونا شروع ہوئے۔ اِن میں سے شوربہ ٹپک رہا تھا۔ لوگوں کو یہ دیکھ کر اور حیرت ہوئی کہ ہونٹوں سے نیچے ایک لمبی سی ٹھوڑی بھی دکھائی دینے لگی تھی اور پھر اُس کے بعد ایک بہت ہی زیادہ سرخ ناک!

"ارے یہ تو کوئی شیطان ہے۔" کوئی زور سے چلّایا۔

"اگر کوئی شیطان ہے تو وہ میرا شوربہ مفت میں پینے کے بعد یہاں سے واپس نہیں جا سکتا۔" سرائے کے مالک نے اتنا کہہ کر ایک لکڑی اُٹھائی اور نظر نہ آنے والے چہرے کی لال ناک کے نیچے گھمائی۔

اوٹو اچانک اُچھلا اور خوف زدہ ہو کر تیزی سے چیختا چلّاتا وہاں سے بھاگا۔ سرائے کے مالک کے ساتھ ہی ہر شخص اوٹو کے پیچھے بھاگا۔ اوٹو سڑک پر بھاگتے بھاگتے پسینے میں شرابور ہو گیا۔ شرارت کرنے کا نتیجہ بڑا بھیانک اور تباہ کن تھا! کیونکہ دھان کی بالیوں

کے کوٹ والی راکھ اُس وقت تک تو کام کرتی رہی جب وہ سوکھی تھی لیکن پسینے میں بھیگ کر گیلی ہوتے ہی اُس کا جادوئی اثر ختم ہو گیا تھا۔

کے کوٹ والی راکھ اُس وقت تک تو کام کرتی رہی جب وہ سوکھی تھی لیکن پسینے میں بھیگ کر گیلی ہوتے ہی اُس کا جادوئی اثر ختم ہوگیا تھا۔
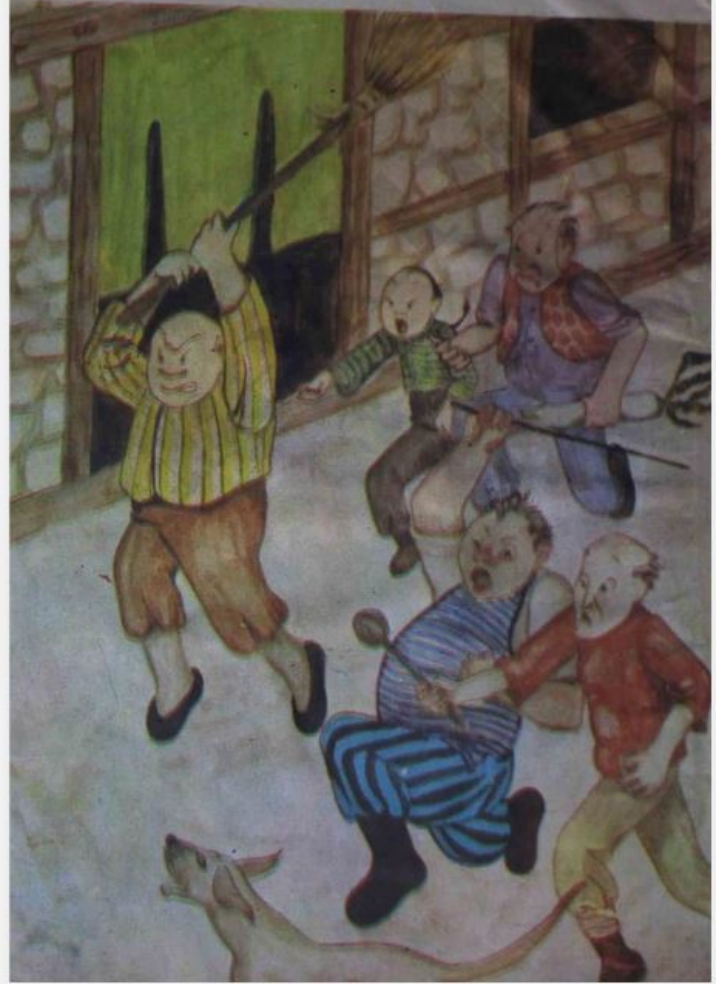
پسینے میں بُری طرح غرق ہو جانے کے بعد بھاگتا ہوا اوڈو کو یوں نظر آنے لگا جیسے مصوّر کی کوئی ادھوری تصویر ہو!

اپنی شرارت اور چالاکی سے ڈرتا سہمتا وہ تیز سے تیز بھاگتا گیا حتیٰ کہ بہتے ہوئے چشمے پر بنے ہوئے چھوٹے سے پُل پر آگیا۔ گھبراہٹ کی وجہ سے وہ پُل سے نیچے پانی میں گر پڑا۔ لوگ چونکہ اُس کے پیچھے بھاگتے ہوئے آرہے تھے، لہٰذا وہ پُل سے نیچے جھانکنے لگے۔ تب اُنھوں نے دیکھ لیا کہ اُن کا شور بہ پینے والا شیطان کوئی اور نہیں اوڈو ہے!

بیچارے اوڈو کو باہر نکالا گیا اور اس سے کہا گیا کہ پوری بات بتائے۔ جب اُن کو حقیقت معلوم ہوئی تو وہ اِس بُری طرح ہنسے کہ بس!

"بیوقوف، گدھے" وہ چیخے "کیا تو یہ بھول گیا تھا کہ تو ایک ٹنگو کے ساتھ شرارت کر رہا ہے۔ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانے سے فائدہ جبکہ تیری ٹانگ اتنی لمبی بھی نہیں ہے؟"

گاؤں والے اس واقعہ پر کئی دن تک ہنستے رہے اور بیچارہ اوڈو گھر میں بیٹھا یہی سوچتا رہا کہ نہ جانے لوگ کب اِس واقعہ کو بھولیں گے؟ شاید لوگ بھول بھی جائیں۔ لیکن تم، میں اور ٹنگو اس پر کافی عرصے تک ہنستے رہیں گے۔